

کوئٹہ میں دہشت گردی، پریشان کن سوالات

پروفیسر خورشید احمد

۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۶ء پاکستانی قوم کے لیے ایک سیاہ دن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس روز کوئٹہ شہر سے ۱۷ کلومیٹر دور سبئی روڈ پر واقع پولیس ٹریننگ سنٹر میں تین دہشت گردوں نے یورش کی۔ ۵۰۰ کے قریب زیر تربیت نوجوان اہل کاروں (عمر ۱۶ سے ۲۵ سال) کو يرغمال بنا لیا۔ دہشت گردوں نے چار گھنٹے کے خونیں معرکے میں ۶۳ معصوم انسانوں کو شہید اور تقریباً ۱۵۰ کو زخمی کیا، جن میں سے ایک درجن سے زیادہ جوان زندگی اور موت کی کش مکش سے دوچار ہیں۔

یہ دل خراش واقعہ، کوئٹہ ہی میں دہشت گردی کے ایک اور دل دہلا دینے والے واقعے کے صرف اڑھائی ماہ بعد رونما ہوا ہے۔ تب دہشت گردوں نے دن کی روشنی میں پہلے ایک نام ور وکیل کو نشانہ بنایا اور پھر جب شہر کے چوٹی کے وکلاء کے وکلاء سے نڈھال ہسپتال پہنچے، تو دہشت گردوں نے ہسپتال میں ۷۰ افراد کو بے دردی سے بھون ڈالا۔ ان شہداء میں سے تقریباً ۵۰ کا تعلق وکالت کے پیشے سے تھا اور یہ بلوچستان کی وکیل برادری کے گل ہائے سرسبز کی حیثیت رکھتے تھے۔

’ضرب عضب‘ کی تمام قابل قدر کوششوں کے باوجود، صرف صوبہ بلوچستان میں اس آپریشن کے شروع ہونے کے بعد، اس اندھنک واقعے سے پہلے بھی، دہشت گردی کے آٹھ بڑے واقعات رونما ہو چکے ہیں، جن میں مجموعی طور پر ۲۰۰ سے زائد افراد شہید ہوئے ہیں، جن میں ایک نمایاں تعداد خود قانون نافذ کرنے والوں کی ہے، جن کا تعلق فوج، ایف سی اور پولیس سے تھا۔ واضح رہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں میں پولیس خصوصیت سے دہشت گردوں کا نشانہ رہی ہے۔

’ضرب عضب‘ پشاور کے آرمی پبلک اسکول پرسفا کا نہ حملے کے بعد وقت کی اہم ضرورت

تھی اور یہ حیثیت مجموعی اس کے مثبت اثرات بھی رونا ہونے، جس کا ہر حلقے نے اعتراف کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دہشت گردی کا قلع قمع کرنے کا جو دعویٰ کیا گیا تھا، وہ ابھی پوری طرح شرمندہ تعبیر نہیں ہوا ہے۔ بار بار دعویٰ کیا جاتا ہے کہ دہشت گردوں کی کمر توڑ دی گئی ہے، لیکن یہ کمر معلوم نہیں کتنی مضبوط ہے کہ ساری کوشش کے باوجود ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی۔ ایسے ہر اندوہناک واقعے کے بعد جس ردعمل کا اظہار کیا جاتا ہے، وہ اب اپنی معنویت کھوتا نظر آتا ہے۔ وہی گھسی پٹی مذمت! وہی وحشیانہ کارروائیاں کرنے کی اجازت نہ دینے کے دعوے، وہی مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے عزائم، وہی آہنی ہاتھوں کے حرکت میں آنے کی نوید، پھر دہشت گردوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے پر انعامات کا اعلان! اور ان سب پر مستزاد حالیہ چند واقعات بشمول حالیہ کوئٹہ کے سانحے کی یہ توجیہ کہ: ”اگر بروقت دہشت گردوں کو زیر نہ کرتے تو بڑی تباہی ہوتی“۔ گویا ۶۳۱ نو جوانوں کی شہادت اور ۱۵۰ کا زخمی ہونا تو کم تباہی ہے۔

بلاشبہ آج ہر آنکھ اشک بار ہے، ہر دل افسردہ اور مغموم ہے اور ہر زبان دکھ اور شہیدوں اور مظلوموں کے ساتھ یک جہتی کا اظہار کر رہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہر صاحب ضمیر فرد، شرم سار ہے کہ ۱۹۸۰ء سے دہشت گردی کے جس عفریت نے پاکستان میں سر اٹھایا ہے اور جسے قابو کرنے اور تہ تیغ کرنے کی ہر سطح پر کوششیں کی جا رہی ہیں، حتیٰ کہ شخصی آزادیوں اور قانون کے باقاعدہ عمل (due process) تک کی بھی قربانی دی گئی ہے اور سویلیں معاملات میں فیصلے کا دستوری اختیار بھی فوجی عدالتوں کو سونپ دیا گیا ہے، اس کے باوجود یہ عفریت بدستور اپنی تباہ کاریوں میں مشغول ہے۔

’ضرب عضب‘ کو بھی اب دو سال ہو رہے ہیں۔ شروع میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں تھے۔ مگر اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روایتی عسکری آپریشن اپنے مثبت نتائج کے باوجود اس عفریت کو نیست و نابود کرنے میں کامیاب نہیں ہو رہا۔ سرکاری اعداد و شمار سے جو تصویر سامنے آتی ہے، وہ بہت خوش آئند نہیں ہے۔ ۲۰۱۳ء میں ملک بھر میں ۲۷۵ افراد دہشت گردی کے نتیجے میں جاں بحق ہوئے تھے، وہ ۲۰۱۵ء میں کم ہو کر ۲۰۲ کی سطح پر آگئے تھے لیکن ۲۰۱۶ء کے ۱۰ ماہ میں بد قسمتی سے یہ تعداد ۳۲۰ ہو گئی ہے۔ لہذا، اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جو حکمت عملی اپنائی گئی ہے، اور جسے قوم کی تائید حاصل رہی ہے، نتائج کی روشنی میں اس پر نظر ثانی

کی جائے اور تمام حالات کے بے لاگ تجزیے کے بعد پالیسی کی از سر نو شیرازہ بندی کی جائے۔
چند بنیادی سوال جن پر فوری غور و فکر ضروری ہے، انہیں ہم ملک کے تمام پالیسی سازوں
اور متاثر اداروں اور افراد کے غور و فکر کے لیے پیش کرنے کی جسارت کر رہے ہیں:

۱- سب سے پہلا اور پریشان کن سوال یہ ہے کہ انٹیلی جنس کے ذرائع کی جانب سے
جب واضح اور متعین معلومات، انتظامیہ اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو مہیا کی جاتی ہیں، تو
پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی روشنی میں موثر اقدامات نہیں کیے جاتے اور دہشت گرد قانون نافذ کرنے
والوں کو چکما دے کر اپنا کام کرتے ہیں اور خود قانون نافذ کرنے والوں ہی کو ہدف بنا لیتے ہیں۔
اخباری نہیں، سرکاری اطلاعات اور اعترافات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوئٹہ کے حالیہ واقعے
اور اس سے پہلے رونما ہونے والے ایک ہولناک واقعے سے قبل بھی متوقع دہشت گردی کے حملے
کی واضح اطلاعات موجود تھیں اور متعلقہ اداروں کو ان سے باخبر کیا جا چکا تھا۔

اسی طرح کراچی میں بحریہ کے بیس پر حملے کا واقعہ ہو یا ایئر فورس بیس کا، جی ایچ کیو کا واقعہ
ہو یا کراچی ایئر پورٹ پر حملے کا، پشاور آرمی پبلک اسکول کا واقعہ ہو یا دلی خان یونیورسٹی کا واقعہ،
ہر موقع پر متوقع حملے کے بارے میں ہوشیار رہنے کے لیے 'الٹ سگنل' جاری کیے گئے، مگر ان پر
خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی، اور سائے پر سانحہ نمودار ہوتا رہا۔ حالیہ واقعے کے بارے میں تو
بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نے ٹی وی پر اعتراف کیا ہے کہ: "ہمیں پولیس پر حملے کی اطلاع تھی"، مگر
وزیر اعظم اور ایچیکس کمیٹی کے ایک سال سے زیادہ پرانے فیصلے کے باوجود کہ کوئٹہ کو محفوظ شہر بنایا
جائے گا اور ہر اہم مقام پر چوکیاں قائم کی جائیں گی، کیمرے لگائے جائیں گے، لیکن عملاً کچھ نہ ہوا۔
حالیہ وارننگ کے باوجود پولیس ٹریننگ کالج جہاں ۵۰۰ سے زیادہ اہل کار تھے، اس کے احاطے کی
نہ دیوار درست تھی! اور نہ حفاظت کا کوئی معقول انتظام تھا۔ صرف ایک سپاہی وایچ ٹاور پر تھا،
جس نے مزاحمت کے دوران شہادت دے دی اور حملہ آور دندناتے ہوئے کمپاؤنڈ میں داخل
ہو گئے اور بے باکی سے خون کی ہولی کھیلتے رہے۔ ایک تربیت کار نوجوان جو زخمی ہوا، اس کے یہ

۱- ۶ ستمبر ۲۰۱۶ء کو ان اہل کاروں کی پاسنگ آؤٹ کے موقع پر صوبہ بلوچستان کے انسپکٹر جنرل پولیس نے
مہمان خصوصی وزیر اعلیٰ بلوچستان کے سامنے اسی طویل دیوار کو پختہ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

الفاظ دل کو دہلا دینے والے اور آنکھوں کو شرم سار کرنے والے ہیں کہ ”حملہ آوروں کے ہاتھوں میں کلاشنکوف تھی، اور ہمارے پاس ہتھیار نہیں تھے۔“

واضح رہے کہ پشاور آرمی اسکول اور ولی خاں یونیورسٹی کے واقعات کے بعد کہا گیا تھا کہ ہر اسکول اور کالج میں دفاع کے لیے اسلحہ فراہم کیا جائے گا۔ ان تمام اعلانات کا کیا بنا؟ بلاشبہ انٹیلیجنس اداروں کی ناکامی بھی بار بار سامنے آئی ہے، لیکن انٹیلیجنس کی فراہم کردہ اطلاعات کے بعد انتظامی اور سیکورٹی کے اداروں کی غفلت بھی ایک حقیقت ہے۔ جب تک یہ کیفیت رہتی ہے محض فوج کی ضرب عضب کے باب میں سرگرمی نتائج نہیں نکال سکتی۔

۲۔ بات صرف انٹیلیجنس کی معلومات، انتظامی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی غفلت اور کوتاہی تک محدود نہیں، ہماری نگاہ میں فوج اور پولیس کو پیش قیمت قربانیوں کے باوجود دہشت گردی پر نہ قابو پانے میں درج ذیل پہلو غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں:

۱۔ دہشت گردی کے خلاف ۲۰ نکاتی حکمت عملی کے بیش تر نکات پر عمل درآمد نہ کیا جانا اور اس سلسلے میں جن بنیادی اداراتی اور پالیسیوں کی تبدیلیوں کی ضرورت تھی اور حکومت کے تمام متعلقہ اداروں کے درمیان جس ہم آہنگی کی ضرورت تھی، ان کی طرف قرار واقعی توجہ نہیں دی گئی۔ نیز اس پوری حکمت عملی پر عمل کرنے کے لیے جن مالی اور انسانی وسائل کی حاجت تھی، اس کی بھی کوئی فکر نہ کی گئی۔ ایسی صورت حال میں بہتر نتائج کی توقع کیسے کی جاسکتی تھی۔

ب۔ بات نازک ہے لیکن اس کا اظہار اور ادراک بھی ضروری ہے کہ ملک کی سیاسی قیادت اور عسکری قیادت میں جس فکری ہم آہنگی، باہمی اعتماد اور حقیقی تعاون کی ضرورت تھی، نیز وفاق اور صوبوں کے درمیان فوج، ایف سی اور صوبائی اسمبلیوں کے درمیان جس قسم کی ہم آہنگی ناگزیر تھی، بد قسمتی سے وہ بڑی کمزور رہی۔

ج۔ ملک میں بحیثیت مجموعی اور تقریباً ہر سطح پر اور ہر ادارے میں جس ناقص طرز حکمرانی کا رواج ہے، انتظامی بد نظمی جس سطح تک پہنچ چکی ہے، کرپشن نے جس طرح پورے ملک کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، اہلیت و قابلیت کا خون کر کے نااہل افراد کو اہم ترین مناصب پر فائز کرنے کا جو چلن عام ہو گیا ہے، پھر ایک ہی حکومت کے مختلف وزیروں اور مشیروں، مختلف محکموں میں

باہمی ربط اور تعاون کا جو فقدان دکھائی دیتا ہے، ان سب نے حکمرانی کے پورے نظام کو اتنا تباہ کر دیا ہے کہ ایک اچھی پالیسی بھی مطلوبہ نتائج دینے میں بڑی طرح ناکام ہو جاتی ہے۔

۱۔ کوئی قانونی اور کوئی انتظامی پالیسی اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی، جب تک اس کے نفاذ کا معقول انتظام نہ ہو۔ اس سلسلے میں جہاں عمل درآمد کا نظام (delivery system) بنیادی اہمیت رکھتا ہے، وہیں قانون کی خلاف ورزی اور پالیسی کے بارے میں انحراف اور عدم تعمیل پر احتساب اور سزا کا نظام ضروری ہے۔ جس معاشرے میں قانون کا نفاذ نہ ہو، جہاں انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے، جہاں قانون توڑنے اور ذمہ داریاں ادا نہ کرنے یا بدعنوانی کا ارتکاب کرنے پر سزا کا نظام مفقود ہو، وہاں اچھی سے اچھی پالیسی اور بہتر سے بہتر قانون بھی بے کار ہوں گے۔ اور آج ہمارا مسئلہ بھی یہی ہے۔

۳۔ دہشت گردی کے سدباب کے لیے جہاں عسکری کارروائیاں ضروری ہیں اور قانون اور قانون نافذ کرنے والوں کا بڑا کلیدی کردار ہے، وہیں سیاسی، فکری، سماجی، معاشی اور اخلاقی پہلوؤں سے بھی بڑی اہم اصلاحات اور پالیسیاں درکار ہیں۔ فوجی کارروائی سے جن علاقوں کو دہشت گردی سے پاک کرا لیا جاتا ہے ان کی دوبارہ آباد کاری، تباہ شدہ انفراسٹرکچر کی بحالی، پرامن شہری زندگی کی صورت گری بھی اتنی بلکہ اس سے زیادہ ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح پوری سول انتظامی مشینری کا مؤثر وجود اور متحرک کردار تاکہ لوگ اعتماد سے نئی زندگی کا آغاز کر سکیں۔ اسی طرح دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بھی اپنے سیاسی، سماجی، اخلاقی، علمی اور معاشی پہلو ہیں، جن کی طرف ۲۰ نکاتی پالیسی میں اشارے موجود ہیں لیکن ان کے لیے مؤثر پالیسیاں، انتظامی اور اداراتی سہولتیں اور صحیح مردان کار کا وجود مفقود ہے۔ ایسے ٹوٹے پھوٹے اور بے ربط (disjointed) انداز میں اگر دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی جائے، تو کامیابی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے۔ دوسری طرف دہشت گرد منظم ہیں، تربیت یافتہ ہیں، ان کا اپنا اثیلی جنس کا نظام ہے اور وہ مسلح بھی ہیں بلکہ کچھ حالات میں عام قانون نافذ کرنے والوں سے کہیں بہتر اسلحہ اور ٹکنالوجی کے حامل ہیں۔ کوئٹہ کا خونیں حادثہ خون کے آنسو رلانے والا واقعہ ہے۔ لیکن کیا یہ ہماری اور ہماری قیادت کی آنکھیں کھولنے کا تازیا نہ ثابت ہو سکتا ہے؟ — فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ!